OPENACCESS
Al-Azvā الاضواء
ISSN 1995-7904 ;E 2415-0444
Volume 40, Issue, 63, 2025
www.aladwajournal.com

لفظِ "قرآن" کی لغوی تعبیرات اور اشتقاقی حیثیت؛ایک تحقیقی و تجزیاتی مطالعہ

Lexical Interpretations and the Derivational Status of the Word "Quran": A Research and Analytical Study

Zobia Parveen
Lecturer, Department of Islamic Studies
Virtual University of Pakistan

KEYWORDS

The word *Qur'ān, Lexical Interpretations, Derivational,* Derived (mush-taqq), Non-derived (ghayr mushtaqq), Hamzated, Non-hamzated.

Date of Publication: 30-06-2025

Abstract

The Lexical and etymological basis of the word *Qur'ān* has long remained a central topic of scholarly and linguistic debate. Various eminent scholars like lexicographers and exegetes have presented in-depth discussions on this subject. This research thoroughly examines whether the word *"Qur'an"* is derived (mushtaqq) or non-derived (jamid), and it based on what linguistic meanings. There are two major opinions emerge in this discourse: The **first group** holds that the **word** *Qur'ān* is **non-derived (***jāmid***)** and **non-hamzated (ghayr mahmūz)**, and that it is a proper noun (*ism ʿalam*) specifically designated for the Divine Book. This group includes renowned scholars such as Imām al-Shāfiʿī, Ibn Kathīr, al-Zamakhsharī, Imām al-Suyūṭī, and others. On the other hand, a large group is convinced that the word *Qur'ān* **is derived (***mushtaq***)**, and they have its presented various derivation roots and meanings. Based on which, there are two more prominent groups within this group, whose opinions we can be divided into four basic opinions. The findings of this research indicate that while the majority of scholars believe the word *Qur'ān* to be derived (*mushtaq*), the arguments supporting its non-derived (*jāmid*) status are also strong and grounded in linguistic and methodological principles. This debate is not only significant for students of linguistics and Arabic grammar (*ṣarf* and *naḥw*), but also has a profound impact on the understanding of the Qur'ān

and its interpretive sciences (*ʿulūm al-tafsīr*). The objective of this study is not to favor one view over the other, but rather to present a critical analysis of all perspectives and to create awareness within the *Ummah* about the depth and divine wisdom embedded in the word *Qur'ān*.

تعارفِ موضوع

اللہ تعالیٰ نے انسانیت کی ہدایت کے لیے جو آخری آسمانی کتاب نازل فرمائی، اسے "القرآن" کے نام سے موسوم کیا۔ یہ صرف ایک الہامی کتاب نہیں بلکہ فصاحت، بلاغت اور اعجاز کا ایسا شاہکار ہے جس نے نہ صرف عربی زبان بلکہ انسانی فکر و ثقافت پر بھی گہرے اثرات مرتب کیے ہیں۔ ایسی عظیم کتاب جسے ربّ کائنات نے ذکر، نور، ھُدیٰ اور الفرقان جیسے متعدّد اسماء سے یاد کیا، اس کے اپنے ذاتی نام "قرآن" کی لغوی و اشتقاقی بنیادوں کو جاننا صرف علمی تجسس نہیں بلکہ معانیِ قرآن کی تہہ تک رسائی کا ایک ذریعہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مفسرین، لغویین اور اصولیین نے اس ایک لفظ پر تفصیلی بحث کی ہے۔

اس تحقیق کا مقصد یہ ہے کہ لفظِ "قرآن" کے لغوی ماخذ، صرفی و نحوی پہلو کا تحقیقی و تجزیاتی مطالعہ پیش کیا جائے۔ علمائے اسلام کے مابین خاصا علمی اختلاف پایا جاتا ہے کہ آیا یہ لفظ غیر مشتق ہے یا کسی مادہ سے ماخوذ ہے۔ اگر یہ مشتق ہے تو کس مادہ "قرأ، یا قرن " سے ماخوذ ہے اور ان میں سے ہر ایک احتمال کے کیا لسانی و معنوی نتائج ہیں۔ یہ سوال محض لغوی تجزیہ نہیں بلکہ اس سے قرآن کے مفہوم، اس کے مقصد، اور اس کی تاثیر کا ادراک بھی وابستہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قدیم و جدید علمائے لغت و تفسیر نے اس موضوع پر گہری نظر ڈالی ہے۔ زیرِ نظر مقالہ اسی سوال کے مختلف علمی، لغوی، اور تفسیراتی پہلوؤں پر تحقیق و تنقید کی ایک علمی کاوش ہے، جس میں ہم لفظِ "قرآن" کی لغوی و اشتقاقی حیثیت کو تحقیقی و تجزیاتی انداز میں واضح کریں گے۔ اس میں ہم متعدد آراء، ان کے دلائل اور ان کا تجزیہ پیش کرتے ہوئے اس بات کی وضاحت کریں گے کہ لفظِ "قرآن" کی لغوی و اشتقاقی حیثیت سے اس کی معنوی جہات پر کس طرح اثر پڑتا ہے۔

یہ مطالعہ صرف قرآن مجید میں استعمال شدہ لفظ "قرآن" تک محدود ہے۔ تحقیق میں لغوی مصادر، تفاسیر، اصولِ تفسیر، علوم القرآن اور عربی لغت کی مستند کتب سے استناد کیا گیا ہے۔ اس مطالعے میں احادیث یا فقہی مباحث کو شامل نہیں کیا گیا، کیونکہ موضوع کا دائرہ لفظِ "قرآن" کے لغوی ماخذ، صرفی و نحوی پہلو پر مرکوز ہے۔

لفظِ "قرآن" کا لغوی معنی و مفہوم

لفظِ قرآن کا درست فہم دین کے ہمہ گیر تصور کو سمجھنے کے لیے نہایت ضروری ہے، کیونکہ اسی کے ذریعے الہامی کتاب کی حیثیت، اس کا پیغام، اور اس کی غایت متعین ہوتی ہے۔ قرآن مجید میں بارہا خود "قرآن" کا تذکرہ ہوا

ہے، جو اس لفظ کے مفہوم، دائرۂ کار اور عظمت کو نمایاں کرتا ہے۔ اس لیے اس لفظ کی لغوی تحقیق کرنا اسلامی علوم میں فکری گہرائی فراہم کرتا ہے۔

قرآن کی لغوی تعریف کے بارے میں علماء مختلف الآراء ہیں۔ اس ضمن میں ان کے دو نمایاں گروہ سامنے آتے ہیں۔ ایک گروہ کے نزدیک لفظِ قرآن غیر مشتق ہے اور دوسرے کے نزدیک مشتق ہے۔ ذیل میں دونوں کے دلائل دیئے جارہے ہیں۔

لفظِ قرآن کے غیر مشتق ہونے کے دلائل

ایک گروہ کی رائے یہ ہے کہ لفظِ قرآن غیر مشتق ہے یعنی یہ کسی لفظ سے نکلا یا بنا نہیں بلکہ یہ اپنے آپ میں مستقل لفظ ہے۔ ابو عمرو بن العلا البصری التمیمی (م ۱۵۴ھ)[1]، امام شافعی (م ۲۰۴ھ)، امام ابنِ کثیر (م ۷۷۴ھ)، امام سیوطی (م ۹۱۱ھ) وغیرہ اسی کے قائل ہیں۔ ذیل میں اِن علماء کی آراء و دلائل درج ہیں:

ابو بکر بن مجاھد المقری کا قول ہے:

" كَانَ أَبو عَمرو بْنُ العلاءِ لَا يَهْمِزُ الْقُرْآنَ، وَكَانَ يقرؤُه كَمَا رَوى عَنِ ابْنِ كَثِيرٍ "[2]۔

ابو عمرو بن العلاء قرآن کو ہمزہ کے ساتھ نہیں پڑھتے تھے اور وہ اس طرح پڑھتے تھے جس طرح ابنِ کثیر سے روایت کیا گیا ہے۔

خطیب بغدادی (م ۴۶۳ھ) نے تاریخ بغداد میں امام شافعی کا قول نقل کیا ہے۔ آپ لکھتے ہیں:

" قال الشافعي وَقرأت على إسماعيل بن قسطنطين وكان يقول: «القرآن اسم وليس بمهموز، ولم يؤخذ من «قرأت»، ولو أخذ من «قرأت» لكان كل ما قرى قرآننا، ولكنه اسم للقرآن، مثل: التوراة والإنجيل، يهمز قرأت، ولا يهمز القرآن "[3]۔

امام شافعیؒ نے فرمایا: میں نے اسماعیل بن قسطنطین سے قرآن پڑھا اور وہ کہا کرتے تھے لفظ قرآن اسم ہے اور یہ ہمزہ کے ساتھ نہیں ہے۔ قرآن "قرأت" سے ماخوذ نہیں ہے۔ اگر یہ "قرأت" سے ماخوذ ہوتا تو ہر وہ چیز جو پڑھی جاتی ہے، اسے قرآن کہا جاتا، لیکن یہ قرآن کے لیئے اسم ہے تورات اور انجیل کی طرح۔ وہ "قرأت" کو ہمزہ کے ساتھ اور قرآن کو بغیر ہمزہ کے پڑھتے۔

امام راغب نے امام شافعیؒ کے ماقبل الذکر قول کے ساتھ اُن کے یہ الفاظ بھی بیان کیے ہیں:

"كَمَا تَقُولُ إِذَا قَرَأْتُ القُرانَ"[4]

یعنی جیسے کہ تم کہتے ہو: میں نے قرآن پڑھا۔

امام سیوطی نے بھی امام شافعی کے قول کو الاتقان میں نقل کیا ہے۔ آپ لکھتے ہیں:

امام بیہقی (م ۴۵۸ھ) اور خطیب وغیرہ نے امام شافعی سے روایت بیان کی ہے کہ وہ "قراءت" کو ہمزہ کے

ساتھ پڑھتے اور قرآن کو بغیر ہمزہ کے پڑھتے۔ اور کہا کرتے تھے کہ قرآن اسم ہے اور غیر مہموز ہے اور یہ "قرأت" سے ماخوذ نہیں[5]۔

امام شافعی اور ان کے استاد اسماعیل بن قسطنطین کے نزدیک یہ لفظ 'قَرَأْتُ' سے مشتق نہیں، بلکہ یہ اللہ کی کتاب کا خاص نام ہے۔ 'قَرَأْتُ' میں ہمزہ ہوتا ہے جبکہ القرآن میں ہمزہ نہیں ہوتا، جو اس کے اسمِ خاص ہونے کی دلیل ہے۔ امام سیوطی قرآن کی لغوی تعریف کے ضمن میں مختلف علمائے لغت و نحو کے اقوال بیان کرنے کے بعد امام شافعی کے قول کو اختیار کرتے ہیں۔ امام سیوطی رقمطراز ہیں:

" قُلْتُ :وَالْمُخْتَارُ عِنْدِي فِي هَذِهِ الْمَسْأَلَةِ مَا نَصَّ عَلَيْهِ الشَّافِعِيُّ "[6]۔

میں کہتا ہوں اس مسئلے میں میرے نزدیک راجح قول وہی ہے جس پر امام شافعی نے نص یعنی واضح طور پر بیان فرمایا ہے۔

لفظِ "قرآن" کے مشتق ہونے کے دلائل

علمائے امت نے اس مبارک نام کے لغوی معنی، مادۂ اشتقاق اور اس کی اصل پر صدیوں سے بحث کی ہے۔ اس گروہ کی رائے یہ ہے کہ قرآن مشتق ہے۔ اکثر ماہرینِ لغت و نحو اور مفسرین اسی طرف گئے ہیں۔ جیسے الزجاج، الفراء، ابی عبیدہ، ابو الحسن الاشعری، امام راغب اصفہانی وغیرہ۔ تاہم اس بارے میں اختلاف ہے کہ یہ کس اصل سے مشتق ہے۔ قرآن کے لغوی معنی اور اسکے مادہ اشتقاق بارے میں اختلاف عہدِ صحابہ سے چلا آرہا ہے۔ اس سلسلے میں اہلِ علم نے مختلف آراء قائم کیں۔ ان کے دو نمایاں گروہ ہیں اور ہر گروہ میں علماء کی دو قسم کی آراء پائی جاتی ہیں یعنی ہم ان کی آراء کو چار بنیادی آراء میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

- **گروہِ اوّل:** لفظِ قرآن غیر مہموز ہے اور اس کا مادہ " ق رن " ہے۔
- **گروہِ دوم:** لفظِ قرآن مہموز ہے اور اس کا مادہ "ق ر أ " ہے۔

گروہِ اوّل کی آراء و دلائل

بعض علماء کے نزدیک قرآن کا مادہ " ق رن " ہے اور یہ قرن سے مشتق ہے۔ قرن کے معنی ہیں ضم ہو جانا یا مل جانا۔ لفظِ قرآن میں جو "ن" ہے وہ بھی حرفِ اصلی ہے اور قرآن غیر مہموز ہے یعنی بغیر ہمزہ کے ہے۔ اس گروہ کے علما کی اس ضمن میں مزید دو تفصیلی آراء بھی پائی جاتی ہیں۔

پہلی رائے

علماء کی ایک جماعت کا کہنا ہے کہ لفظ قرآن "قرنت الشیء بالشیء "(یعنی ایک چیز کو دوسری کے ساتھ ملانے) سے مشتق ہے۔ چنانچہ جب دو بیلوں کو ایک ہی جُوے میں جوتا جائے تو اسے " قَرْنُ الثَّوْرَيْنِ "کہا جاتا

ہے، اسی سے عربوں کا قول ہے:" قَرَنَ بَيْنَ الْبَعِيْرَيْنِ "یعنیجب وہ ان دونوں کو جمع کر دیتا ہے۔ جب دو اونٹوں کو ایک رسی سے باندھا جائے تو اسے" قَرْنُ الْبَعِيْرَيْنِ "کہا جاتا ہے۔ اسی طرح جب کوئی سیارہ بلندی پر ثریا کے ساتھ متصل ہو جائے تو اس کے لیے" أَقْرَنَتِ الثُّرَيَّا " کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ پس، قرآن کو" قران" اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس میں سورتوں، آیات، کلمات اور حروف کو آپس میں ملایا اور یکجا کیا گیا ہے۔ امام اشعری (م۳۲۴ھ)[7] بھی اسی رائے کے حامل ہیں۔ امام زرکشی" البرہان" میں امام اشعری کے قول کو بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"هُوَ مُشْتَقٌّ مَنْ قَرَنْتُ الشَّيْءَ بِالشَّيْءِ إِذَا ضَمَمْتَ أَحَدَهُمَا إِلَى الْآخَرِ وَسُمِّيَ بِهِ لِقِرَانِ السُّوَرِ وَالْآيَاتِ وَالْحُرُوفِ فِيهِ۔"[8]

یہ قَرَنْتُ الشَّيْءَ بِالشَّيْءِ سے مشتق ہے اور اس سے مراد ایک چیز کو دوسری چیز سے ملانا۔ قرآن کو یہ نام اس لیئے دیا گیا کیونکہ اس میں سورتیں، آیات اور حروف ایکدوسرے سے متصل ہوتے ہیں اسی لیئے ان کے مجموعے کہ" قرآن" کہا گیا۔

اسی یعنی قَرَنْتُ الشَّيْءَ بِالشَّيْءِ کی وجہ جب حج اور عمرہ کو ایک احرام میں جمع کیا جائے تو اسے قران یعنی "حجِ قران" کہتے ہیں[9]۔

دوسری رائے

جن علماء کے نزدیک لفظِ قرآن مشتق ہے اور اس کا مادہ" ق رن " ہے۔ ان میں سے بعض علماء کے نزدیک قرآن کا مادہ تو یہی ہے مگر یہ "قرنت الشیء بالشیء "سے نہیں بلکہ" قرائن " سے مشتق ہے۔ قرائن جمع ہے لفظِ قرینہ کی اور اس کے معنی ہیں دلیل یا نشانی۔ جیسے کہا جاتا ہے کہ کوئی بات قرائن یعنی دلائل سے ثابت ہوتی ہے۔ قرآن کو "قرآن" اس لیے کہا جاتا ہے کیونکہ اس کی آیات صداقت و حقانیت اور دلائل و براہین میں ایکدوسرے کے مشابہ ہیں اور ایک دوسرے کی تصدیق کرتی ہیں۔ اس گروہ میں الفرّاء[10] (م۲۰۶ھ) کا نام نمایاں ہے۔

الفرّاء (م۲۰۶ھ) کا قول ہے:

"هُوَ مُشْتَقٌّ مِنَ الْقَرَائِنِ لِأَنَّ الْآيَاتِ مِنْهُ يُصَدِّقُ بَعْضُهَا بَعْضًا وَيُشَابِهُ بَعْضُهَا بَعْضًا وَهِيَ قَرَائِنُ وَعَلَى القولين هو بِلَا هَمْزٍ أَيْضًا وَنُونُهُ أَصْلِيَّةٌ"[11]۔

قرآن" قرائن " سے مشتق ہے۔ کیونکہ اس کی آیات ایکدوسرے کی تصدیق کرتی ہیں اور بعض آیات ایکدوسرے کی مشابہ ہیں اور ایسی باتوں کو ہی قرائن کہتے ہیں۔

امام قرطبی (۶۷۱ھ) بھی اسی گروہ کے مؤقف کے حامی ہیں اور آپ کے نزدیک بھی قرآن بغیر ہمزہ کے "قرائن" سے ماخوذ ہے۔ امام زرکشی نے "البرہان" میں امام قرطبی (م۶۷۱ھ) کا قول نقل کیا ہے:

"الْقُرَانُ بِغَيْرِ هَمْزٍ مَأْخُوذٌ مِنَ الْقَرَائِنِ لِأَنَّ الْآيَاتِ مِنْهُ يُصَدِّقُ بَعْضُهَا بَعْضًا وَيُشَابِهُ بَعْضُهَا بَعْضًا فَهِيَ حِينَئِذٍ قَرَائِنُ"[12]۔

لفظِ القرآن بغیر ہمزہ کے قرائن سے ماخوذ ہے، کیونکہ قرآن کی بعض آیات بعض کی تصدیق کرتی ہیں اور اس کی بعض آیات بعض آیات کے مشابہہ ہیں تو یوں وہ آپس میں قرائن بن جاتی ہیں۔

ان تمام اقوال کے مطابق قرآن بلا ہمزہ ہے اور اس میں نون اصلی ہے نہ کہ زائد۔ الفراء اور امام قرطبی اس موقف کے اہم مؤیدین میں شامل ہیں۔ یہ رائے معنوی و تفسیری لحاظ سے انتہائی قابلِ قدر ہے، کیونکہ یہ قرآن کے داخلی ربط اور آیات کے باہمی تعلق کو اجاگر کرتی ہے، جو کہ قرآن کی اعجاز بیانی کا ایک مظہر ہے۔ قرآن چونکہ ایک ایسی کتاب ہے جو باہم مربوط، متشابہ اور مؤید آیات پر مشتمل ہے، اس لیے "قرائن" سے اس کا ربط معنوی طور پر قابلِ فہم ہے۔

گروہِ دوم کی آراء و دلائل

علماء کا جو گروہ قرآن کے مشتق ہونے کا قائل ہے ان میں سے بعض علماء کے نزدیک اس کا مادہ "ق۔ر۔ أ" ہے اور اس کا ہمزہ اصلی ہے یہ گویا مہموز ہے۔ یہ گروہ لفظِ "قرآن" کے مادہ اشتقاق پر متفق ہے مگر اس کے معانی میں ان میں اختلاف پایا جاتا ہے، اس لیے ان کی آراء بھی دو حصوں میں منقسم ہیں:

- **پہلی رائے:** قرآن" قرأ " سے بمعنی تلا (پڑھنا) مصدر ہے۔
- **دوسری رائے:** یہ "قرأ " سے مشتق ہے اور اس کے معنی "جمع کرنے" کے ہیں۔

پہلی رائے

قرآن" قرأ " سے بمعنی تلا (پڑھنا) مصدر ہے۔ قَرَأَ، يَقْرَأُ، قَرْأً، وَقِرَاءَ ةً وَقُرْآنًا. یہ اگرچہ مصدر کا معروف وزن نہیں ہے لیکن ہمیں عربی زبان میں اسکی مثالیں ملتی ہیں۔ جیسے رَجَحَ سے رُجحان، غَفَرَ سے غُفران، خَسَرَ سے خُسران اور كَفَرَ سے كُفران۔ ان کے مادہ میں "ن" شامل نہیں ہے۔ جس طرح رجحان، غفران، خُسران اور كُفران مصدر ہیں ایسے ہی قرآن" قرأ " سے بمعنی تلا (پڑھنا) مصدر ہے۔ بعض اوقات مصدر مفعول کے معنی دیتا ہے تو اس طرح قرآن کا مفہوم ہو گا" پڑھی جانے والی شے"، " پڑھی گئی شے"۔ یہ للحیانی (م ۲۲۰ھ)[13] کا مذہب ہے اور امام زقانی (م ۱۱۲۲ھ) کے نزدیک بھی یہی راجح ہے[14]۔

اس گروہ کی آراء اور دلائل درج ذیل ہیں:

امام سیوطی اس گروہ، جس میں للحیانی بھی شامل ہیں، کی رائے بیان کرتے ہیں:

"فَقَالَ قَوْمٌ مِنْهُمُ اللِّحْيَانِيُّ هُوَ مَصْدَرٌ لَقَرَأْتُ كَالرُّجْحَانِ وَالْغُفْرَانِ سُمِّيَ بِهِ الْكِتَابُ الْمَقْرُوءُ مِنْ بَابِ تَسْمِيَةِ الْمَفْعُولِ بِالْمَصْدَرِ."[15]

پس ان (علماء) میں سے ایک گروہ، جن میں اللحیانی بھی شامل ہیں، نے کہا کہ قرآن رجحان اور غفران کی طرح "قراءت" کا مصدر ہے۔ اور جس قاعدہ کے اعتبار سے مفعول کو مصدر کے ساتھ موسوم کیا جاتا ہے اسی کے تحت پھر اسی مصدر سے مقروء یعنی پڑھی گئی کتاب یعنی "قرآن" کو موسوم کیا گیا۔

ابنِ منظور (م ۷۱۱ھ) لکھتے ہیں:

قَرْءاً وقِراءَةً وقُرآناً، الأُولى عَنِ اللِّحْيَانِيِّ، فَهُوَ مَقْرُوءٌ[16]۔

اس کا مصدر "قَرءًا"، "قِراءَةً" اور "قُرْآنًا" ہے — پہلا صیغہ لحیانی سے منقول ہے — تو (یہ) مَقْرُوءٌ (یعنی پڑھی گئی چیز) کہلاتا ہے۔

امام ابن جریر طبری (۳۱۰ھ) لکھتے ہیں:

" فأما "القرآن"، فإن المفسرين اختلفوا في تأويله. والواجبُ أن يكون تأويله على قول ابن عباس: من التلاوة والقراءة، وأن يكون مصدرًا من قول القائل: قرأت، كقولك "الخُسران" من "خَسِرت"، و "الغُفْران" من "غفر الله لك"، و "الكُفران" من "كفرتُك" "[17]۔

مفسرین میں لفظِ "القرآن" کی تفسیر میں اختلاف پایا جاتا ہے، لیکن ضروری ہے کہ اس کی تفسیر حضرت ابن عباسؓ کے قول کے مطابق کی جائے، یعنی یہ تلاوت اور قراءت سے ماخوذ ہے، اور یہ اس شخص کے قول سے مصدر (مصدر صریح) کے طور پر ہے جو کہتا ہے: "قرأت" (میں نے پڑھا)، جیسے تم کہتے ہو: خَسِرتُ سے الخُسران، غفر الله لك سے الغُفران، كفرتك سے الكفران۔ اسی طرح قَرَأتُ سے القرآن ماخوذ مصدر ہے۔

امام طبری اپنے مؤقف کی تائید ابن عباس کی اس روایت سے کرتے ہیں:

"عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، فِي قَوْلِهِ: ﴿فَإِذَا قَرَأْنَاهُ﴾ ، يَقُولُ: " بَيَّنَّاهُ،﴿ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ﴾ [القيامة:١٨]،يَقُولُ: اعْمَلْ بِهِ " وَمَعْنَى قَوْلِ ابْنِ عَبَّاسٍ هَذَا، فَإِذَا بَيَّنَّاهُ بِالْقِرَاءَةِ، فَاعْمَلْ بِمَا بَيَّنَّاهُ لَكَ بِالْقِرَاءَةِ. ومما يوضح صحة ما قلنا في تأويل حديث ابن عباس هذا، ما حدثني به محمد بن سعد، قال: حدثني أبي، قال: حدثني عمي، قال: حدثني أبي، عن أبيه، عن عبد الله بن عباس: ﴿إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ﴾ [سورة القيامة: ١٧] قال: أن نُقرئك فلا تنسى ﴿فَإِذَا قَرَأْنَاهُ﴾ عليك ﴿ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ﴾ يقول: إذا تُلي عليك فاتَّبِعْ ما فيه. قال أبو جعفر: فقد صرَّح هذا الخبرُ عن ابن عباس: أنّ معنى "القرآن" عنده القراءة، فإنه مصدر من قول القائل: قَرأتُ، على ما بيَّناه."[18]۔

ابنِ عباس سے روایت ہے کہ فرمانِ باری تعالیٰ ﴿فَإِذَا قَرَأْنَاهُ﴾[19] کا مطلب ہے "جب ہم اسے بیان کر دیں"، اور ﴿ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ﴾[20] کا مطلب ہے "تو اس پر عمل کرو"۔ امام طبری کہتے ہیں کہ ابن عباسؓ کے اس قول

سے مراد یہ ہے کہ جب ہم نے اسے قراءت کے ذریعے واضح کر دیا، تو اس پر عمل کرو جو ہم نے تمہارے لیے قراءت کے ذریعے واضح کیا۔ امام ابنِ جریر طبریؒ بیان کرتے ہیں کہ جو بات ہمارے اس قول کی صحت کو مزید واضح کرتی ہے، وہ عبداللہ بن عباسؓ کی یہ روایت ہے کہ: قولِ باری تعالیٰ ﴿إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ﴾ کا مطلب ہے "ہم تمہیں یاد کرائیں گے تاکہ تم نہ بھولو"۔ اور ﴿فَإِذَا قَرَأْنَاهُ﴾ کا مطلب ہے "جب تم پر تلاوت کی جائے تو"، اور ﴿فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ﴾ کے معنی ہیں "اس میں جو کچھ ہے اس کی پیروی کرو۔

امام ابو جعفر طبری فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ کی یہ روایت واضح طور پر بیان کرتی ہے کہ ان کے نزدیک "القرآن" کا معنی " قراءت "(تلاوت / پڑھنا) ہے، اور یہ " قَرَأْتُ " (میں نے پڑھا) سے ماخوذ مصدر ہے، جیسا کہ ہم (امام طبری) نے وضاحت کی۔

علامہ ابنِ عطیہ اندلسی (م۵۸۱ھ) کے نزدیک بھی لفظِ قرآن دراصل قرأ کا مصدر ہے اور اس کے معنی پڑھنے یا تلاوت کرنے کے ہیں یعنی یہ قراءت کے مترادف ہے۔ ابنِ عطیہ (م۵۸۱ھ) نے اس کو یوں بیان کیا ہے:

"فالقرآن مصدر من قولك: قرأ الرجل إذا تلا يقرأ قرآنا وقراءة"[21]۔

لفظِ قرآن دراصل مصدر ہے، جو "قرأ الرجل " (آدمی نے تلاوت کی) جیسے قول سے ہے۔ اس کے معنی ہیں: وہ تلاوت کرتا ہے، یعنی "قرأ يقرأ قرآناً وقراءةً"۔

امام زرقانی (م۱۳۶۷ھ) بھی اس نقطہ نظر کے حامی ہیں کہ لفظِ قرآن مشتق ہے اور قرأ سے مصدر ہے اور قراءت کے مرادف ہے۔ آپ نے اس کو "قرنت الشيء بالشيء" یا "قرائن" سے مشتق ہونے کو رد کیا ہے امام زرقانی (م۱۳۶۷ھ) لکھتے ہیں:

"أما لفظ القرآن: فهو في اللغة مصدر مرادف للقراءة و منه قوله تعالىٰ ﴿ إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْاٰنَهٗ ۔فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ﴾ [القيامة: 17-18]. ثم نُقِلَ مِنْ هَذَا المَعْنَى المَصْدَرِيّ وَجُعِلَ اسْماً لِلْكَلَامِ المعجز المُنَزَّلِ عَلَى النَّبِيّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، مِنْ بَابِ إِطْلَاقِ المَصْدَرِ عَلَى مَفْعُولِهِ. ذَلِكَ مَا نَخْتَارُهُ اسْتِنَاداً إِلَى مورُدُ اللُّغَةِ، وَقَوَانِينِ الاشْتِقَاقِ، وَإِلَيْهِ ذَهَبَ اللِّحْيَانِيُّ وَجَمَاعَةٌ. أَمَّا القَوْلُ "بأنه وصف من القرء بمعنى الجميع، أو أنه مشتق من القرائن. أو أنه مشتق من قرنت الشيء بالشيء، أو أنه مرتجل أي: موضوع من أول الأمر علماً على الكلام المعجز المنزل، غير مهموز ولا مجرد من (أل)، فكلّ أولئك لا يظهر له وجه وجيه، ولا يخلو توجه بعضه من كلفة، ولا من بعد عن قواعد الإشتقاق وموارد اللغة۔ وعلى الرأي المختار فلفظ قرآن مهموز؛ وإذا حذف همزه فيإنما ذلك للتخفيف، وإذا دخلته «أل» بعد التسمية فإنما هي للمح الأصل لا للتعريف "[22]۔

لفظِ قرآن لغت میں مصدر ہے۔ یہ قراءت (پڑھنا) کے مترادف ہے۔ جیسے قول باری تعالیٰ ﴿إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْاٰنَهٗ ۔فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ﴾[23]۔ پھر لفظِ "قرآن" کو اس مصدری معنی سے منتقل کر کے نبی اکرم

صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہونے والے معجزاتی کلام کا نام بنا دیا گیا۔ اور یہ اس قاعدے کے تحت ہے کہ مصدر کو مفعول کے معنی میں استعمال کیا جاتا ہے۔ یہی وہ رائے ہے جسے ہم زبان کے اصول و قواعد اور اشتقاق کے ضوابط کی روشنی میں اختیار کرتے ہیں۔ اور اسی رائے کو للحیانی اور ایک جماعتِ علماء نے اختیار کیا ہے۔ رہا یہ قول کہ: یہ "القرء" (جَمع) سے مشتق صفت ہے، یا یہ "قرائن" سے مشتق ہے، یا "قرنت الشیء بالشیء" (میں نے ایک چیز کو دوسری سے ملایا) سے نکلا ہے، یا یہ ابتداہی سے معجز کلامِ الٰہی کے لیے وضع شدہ اسم ہے۔ جو نہ مہموز ہے اور نہ ہی " ال" سے خالی ہے، تو ان سب اقوال میں کوئی بھی قوی و واضح بنیاد نہیں رکھتا۔ ان میں سے بعض اقوال تو تکلف سے خالی نہیں، اور بعض اقوال کا رجحان قواعدِ اشتقاق اور لغت کے اصولوں سے دور ہے۔

اس کے بعد امام زرقانی نے راجح قول کو پیش کیا کہ راجح قول کے مطابق لفظِ قرآن مہموز (یعنی ہمزہ والا) ہے، اور اگر اس کا ہمزہ حذف کر دیا جائے تو وہ صرف تخفیف (تلفظ میں آسانی) کے لیے ہوتا ہے۔ اور جب اس پر "ال" داخل ہو جائے تو وہ تعریف کے لیے نہیں بلکہ اس کے اصلی معنی کی طرف اشارہ کرنے کے لیے ہوتا ہے۔

علامہ مناع بن خلیل القطان (م ۱۴۲۰ھ / ۱۹۹۹م) بھی اسی گروہ کے نقطہ نظر کے قائل ہیں۔ آپ رقمطراز ہیں:

> ""قرأ": تأتي بمعنى الجمع والضم، والقراءة: ضم الحروف والكلمات بعضها إلى بعض في الترتيل، والقرآن في الأصل كالقراءة: مصدر قرأ قراءة وقرآنًا. قال تعالى: ﴿ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ۚ ۔فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ﴾[24]. أي قراءته، فهو مصدر على وزن "فُعلان" بالضم: كالغفران والشكران، تقول: قرأته قرءًا وقراءة وقرآنًا، بمعنى واحد. سمي به المقروء تسمية للمفعول بالمصدر .وقد خص القرآن بالكتاب المنزل على محمد -صلى الله عليه وسلم- فصار له كالعلم الشخصي.ويطلق بالاشتراك اللفظي على مجموع القرآن، وعلى كل آية من آياته، فإذا سمعت من يتلو آية من القرآن صح أن تقول إنه يقرأ القرآن :﴿ وَإِذَا قُرِئَ ٱلْقُرْءَانُ فَٱسْتَمِعُواْ لَهُۥ وَأَنصِتُواْ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ[25] ﴾"[26]۔

ان کے نزدیک قرأ کا معنی ہے جمع کرنا اور اکٹھا کرنا۔ القراءۃ (پڑھائی): حروف اور کلمات کو ایک دوسرے کے ساتھ جوڑنا ترتیل کے ساتھ۔ القرآن دراصل القراءۃ کی طرح ایک مصدر (مصدرِ قرأ) ہے، یعنی: قرأ، یقرأ، قراءۃً وقرآناً۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان ﴿ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ۚ ۔فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ﴾[27] میں اس کے معنی ہیں اس کی قراءت ہے۔ قرآن فعلان کے وزن پر ایک مصدر ہے جیسے الغفران اور الشکران، آپ کہہ سکتے ہیں کہ قرأته قرءاً وقراءة وقرآناً، سب کا ایک ہی معنی ہے۔ پھر اسی مصدر سے مقروء یعنی پڑھی گئی کتاب کا نام دیا گیا ہے۔ قرآن کو یہ نام مفعول کو مصدر کے ساتھ موسوم کرنے کی وجہ سے دیا گیا ہے۔ قرآن کو خاص طور پر محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہونے والی کتاب سے مختص کر دیا گیا، یہاں تک کہ یہ ان کے لیے ایک ذاتی نام بن گیا۔ لفظِ قرآن مشترک معنوی طور پر پورے قرآن کے مجموعے کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے اور

اس کی ہر ایک آیت کے لیے بھی۔ لہٰذا اگر آپ کسی کو قرآن کی ایک آیت پڑھتے ہوئے سنیں تو یہ کہنا درست ہے کہ وہ قرآن پڑھ رہا ہے۔ جیسا کہ قولِ باری تعالیٰ ہے:﴿ وَإِذَا قُرِئَ ٱلْقُرْءَانُ فَٱسْتَمِعُواْ لَهُۥ وَأَنصِتُواْ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ﴾[28] "اور جب قرآن پڑھا جائے پس اسے غور سے سنو اور خاموش رہو" ۔

دوسری رائے

بعض علماء کے نزدیک یہ "قرء" سے مشتق ہے اور اس کے معنی "جمع کرنے" کے ہیں اور اسی سے ہے کہ قريت الماء في الحوض أي جمعته-اس گروہ کے معروف علماء کی آراء ودلائل ذیل میں درج ہیں:

معروف تابعی قتادہؒ(م۱۱۷ھ) کے قول کے مطابق قرآن ایک ایسا مصدر ہے جو "قرأتُ الشيء" سے لیا گیا ہے۔ امام طبری" جامع البیان "میں امام قتادہ کی روایت کو بیان کرتے ہیں:

"وأما على قول قتادة، فإن الواجب أن يكون مصدرًا، من قول القائل: قرأتُ الشيء، إذا جمعتَهُ وضممتَ بعضه إلى بعض، كقولك: "ما قرأتْ هذه الناقةُ سَلًى قطُّ" تريد بذلك أنها لم تضمُمْ رحمًا على ولد، كما قال عَمرو بن كلثوم التغلبيّ: تريك إذا دخلت على خلاء ... وقد أمنت عيون الكاشحينا ذراعي عيطل أدماء بكر ... هجان اللون لم تقرأ جنينا يعني بقوله: "لم تقرأ جنينًا"، لم تضمُمْ رحمًا على ولد"[29]۔

اس سے مراد یہ ہے کہ قتادہؒ کے قول کے مطابق،"القرآن"ایک ایسا مصدر ہے جو اس قول"قرأتُ الشيء" سے لیا گیا ہے اور اس کے معنی ہیں میں نے کسی چیز کو جمع کیا، اور ایک دوسرے کے ساتھ ملایا۔ جیسے کہا جاتا ہے: ما قرأت هذه الناقة سلى قط " یعنی اس اونٹنی کے رحم نے کبھی بچہ نہیں سمیٹا، جیسا کہ عمرو بن كلثوم التغلبي کے شعر کے آخری الفاظ " لم تقرأ جنينًا " اس بات کو ظاہر کرتے ہیں کہ اونٹنی نے رحم میں بچہ نہیں سمیٹا۔

امام ابوالحسن نے قتادہ کی روایت کو بیان کرتے ہوئے یہ الفاظ بیان فرمائے ہیں:

" أي، لم تضم رحما على ولد، ولذلك سمي قرء العدوة قرءاً لاجتماع دم الحيض في الرحم "۔[30]

یعنی اس کا رحم کبھی بچے پر جمع نہیں ہوا، اور اسی وجہ سے "قرء العدوة" (حیض کا زمانہ) کو "قرء" (حیض) کہا گیا کہ کیونکہ حیض کا خون رحم میں جمع ہوتا ہے۔

ابو عبیدہ معمر بن المثنی(م۲۱۰ھ) کا قول ہے:

"القرآن: اسم كتاب الله خاصّة، ولا يسمّى به شيء من سائر الكتب غيره، وإنما سمّى قرآنا لأنه يجمع السور فيضمها"[31]۔

قرآن اللہ کی کتاب کا خاص نام ہے، دیگر کسی کتاب کو یہ نام نہیں دیا جاتا۔ اسے 'قرآن' اس لیے کہا جاتا ہے کیونکہ یہ سورتوں کو جمع کرتا اور انہیں ایک جگہ مرتب کرتا ہے۔

اس رائے کے حامل علماء میں امام ابو اسحاق زجاج (م ۳۱۱ھ)[32] بھی اسی گروہ میں شامل ہیں۔ اس حوالے سے امام سیوطی بیان کرتے ہیں:

" و قال آخرون منهم الزّجاج: هو وصف على فُعلان، مشتق من القرء بمعنى الجمع، و منه: قرأتُ الماءَ في الحَوضِ؛ أي جمعتُهُ"۔[33]

اور دوسرے لوگ، جن میں الزجاج بھی شامل ہیں، کے مطابق قرآن "فعلان" کے وزن پر اسم صفت ہے اور "قرء" سے مشتق ہے۔ جس کے معنی ہیں جمع کرنا۔ اسی سے قول ہے کہ قرءات الماء في الحوض، یعنی جمعته۔ یعنی اس کو جمع کرنا۔

امامِ لغت ابنِ منظور (م ۷۱۱ھ) "لسان العرب" میں ابو اسحاق نحوی کی قراءت اور قول کو نقل کرتے ہیں:

" قَرَأَهُ يَقْرَؤُهُ ويَقْرُؤُهُ، الأَخيرة عَنِ الزَّجَّاجِ"[34]۔ "أَبو إِسحاق النَّحْوِيُّ: يُسمى كَلَامُ اللَّهِ تَعَالَى الَّذِي أَنزله عَلَى نَبِيَّهُ، صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، كِتَابًا وقُرْآناً وفُرْقاناً، وَمَعْنَى القُرآن مَعْنَى الْجَمْعِ، وَسُمِّيَ قُرْآناً لأَنه يَجْمَعُ السُّوَر، فيَضُمُّها"[35]۔

" قرأه يَقرَؤه ويَقرُؤه " یعنی " قرأ " کی دو قراءتیں ہیں: " يَقرَؤه " اور " يَقرُؤه " ، ان میں سے دوسری قراءت زجاج سے منقول ہے۔ ابو اسحاق نحوی کے مطابق اللہ تعالیٰ کا وہ کلام جو اس نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمایا، اسے کتاب، قرآن اور فرقان کا نام دیا جاتا ہے۔

قرآن کا معنی "جمع کرنا" ہے، اور اس کا نام قرآن اسی لیئے ہے کیونکہ اس میں سورتوں کو جمع کیا گیا ہے۔

ابو اسحاق زجاج (م ۳۱۱ھ / ۹۲۳ء) ہمزہ ترک کرنے کے لیے یہ دلیل دیتے ہیں:

" أن ترك الهمزة فيه من باب التخفيف، و نقل حركة الهمزة إلى الساكن قبلها"[36]۔

"اس میں تخفیف کے لیے ہمزہ کو ترک کر دیا گیا ہے اور ہمزہ کی حرکت اس سے ما قبل ساکن حرف کو دے دی گئی ہے۔" امام جوہری اپنی معروف لغت "الصحاح في اللغة" میں لفظِ قرآن کی تعریف و تشریح کرتے ہوئے اسے "ق ر أ" کے مادے سے مشتق قرار دیتے ہیں جس کے بنیادی معنی " پڑھنا یا جمع کرنا " کے ہیں۔ آپ نے لفظِ قرآن کے دونوں معانی اور ان معانی کے دلائل بھی پیش کیے ہیں۔ پہلے آپ نے اس کے معنی "جمع کرنے" کے دلائل دیئے ہیں۔ امام جوھری (م ۳۹۳ھ) لکھتے ہیں:

"وقرأتُ الشيءَ قرآناً: جَمعتُه وضممتُ بعضه إلى بعض و منه قولهم: ما قرأت هذه الناقة سلى قط وما قرأت جنينا ، أي لم تُضِمَّ رَحِمَهَا على وَلَدٍ"۔[37]

امام جوہری کے نزدیک قرأتُ الشيء قرآناً کا مطلب ہے میں نے چیزوں کو جمع کیا اور ان کو آپس میں جوڑ

دیا۔اسی سے ان کا یہ قول بھی ہے کہ ما قرأت هذه الناقة سلى قط یعنی اس اونٹنی نے کبھی بھی 'سَلی' (پھلی) نہیں اٹھائی، اور ما قرأت جنينًا یعنی اس کے رحم نے کبھی کسی بچّے کو نہیں سمیٹا (یعنی وہ حاملہ نہیں ہوئی)۔ جیسا کہ عمرو بن کلثوم التغلبي کے شعر کے آخری الفاظ " لم تقرأ جنينًا " اس بات کو ظاہر کرتے ہیں کہ اونٹنی نے رحم میں بچہ نہیں سمیٹا۔

یہ سب اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ قرآن کا مطلب ہے جمع کرنا اور یہی اس کے نام کی اصل ہے۔

امام جوہری لفظِ قرآن کو "جمع کرنے" کے معنی سے جوڑتے ہیں، کیونکہ یہ تمام آسمانی کتب کے ثمرات، احکام، قصص اور مواعظ کا جامع مجموعہ ہے، جس نے بعد میں آنے والے تمام لغوی علماء جیسے ابن منظور اور راغب اصفہانی کے نظریات کو متاثر کیا۔ اس کے بعد امام جوہری اس کے معنی "پڑھنا" یا "قرأت" دلائل بیان کرتے ہیں۔ آپ لکھتے ہیں:

" وقرأت الكتابَ قراءة وقُرآنا، ومنه سُمِّيَ القرآن "[38]۔

"وقوله تعالىٰ﴿ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗۚ﴾[39] أى جمعه و قراءته ﴿ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗۚ﴾[40]. أي قراءته۔ قال ابْنِ عَبَّاسٍ: فَإِذَا بَيَّنَّاهُ بِالْقِرَاءَةِ، فَاعْمَلْ بِمَا بَيَّنَّاهُ لَكَ. وَفلان قَرَأَ عَلَيْكَ السَّلَامُ وَأَقْرَأَكَ السَّلَامُ، بمعنى وَأَقْرَأَهُ الْقُرْآنَ فَهُوَ مُقْرِي، وَجَمْعُ الْقَارِئِ قُرَّاءٌ مِثَالُ كَافِرٍ وَكُفْرَةٍ"[41]۔

اسی طرح میں نے کتاب پڑھی۔ قراءة وقُرآنا، اسی سے "قرآن" کا نام آیا۔

آیت﴿ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗۚ﴾ کے معنی ہیں یعنی اس کا جمع کرنا اور اس کی قراءت کرنا (پڑھنا) اور آیت﴿ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗۚ﴾ کے معنی ہیں اس کی قراءت کرنا۔ امام جوہری نے دلیل کے طور پر ابن عباس کی روایت کو پیش کیا کہ ابنِ عباس کے نزدیک اس سے مراد یہ ہے کہ جب ہم نے اسے قراءت کے ذریعے واضح کر دیا، تو اس پر عمل کرو جو ہم نے تمہارے لیے واضح کیا۔

اس کے بعد امام جوہری اسکی مزید وضاحت کرتے ہیں کہ جیسے فلان نے تم پر سلام پڑھا اور اس نے تمہیں سلام پڑھوایا، اس معنی میں کہ اور اس نے اسے قرآن پڑھوایا تو وہ پڑھانے والا (مُقْرِي) ہے۔ اور قاری کی جمع قُرَّاء ہے۔ جیسے: کافر کی جمع کُفّار یا کُفرة ہوتی ہے، ویسے ہی قارئ کی جمع قُرّاء ہے۔

یہاں قَرَأَ اور أَقْرَأَ کے درمیان فرق واضح کیا گیا ہے: قَرَأَ: خود پڑھنا اور أَقْرَأَ: کسی کو پڑھوانا / پڑھانا۔ مُقْرِي قرآن پڑھانے والے معلم کے لیے خاص اصطلاح ہے۔

امام راغب (م ۵۰۲ھ) کے مطابق القراءت کا مطلب ہے حروف اور کلمات کو ترتیب و ترتیل کے ساتھ جمع کرنا، کیونکہ صرف ایک حرف کے تلفظ کو قرأت نہیں کہا جاتا۔ تاہم، یہ لفظ عمومی طور پر ہر قسم کی چیز کو جمع کرنے

کے لیے استعمال نہیں ہوتا۔ اسی لیے اَجمَعتُ القَومَ کہنا درست ہے اور قَرَءتُ القَومَ کہنا صحیح نہیں ہے[42]

علامہ راغب اصفہانی (م ۵۰۲ھ) آپ لکھتے ہیں:

"والقرآن فی الأصل مصدر، نحو: کُفرانٍ و رُجحانٍ۔ قالی تعالیٰ: ﴿ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ۔فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ﴾[القیامة،۷۵:۱۷،۱۸]۔ قال ابن عباس: اِذا جمعناهُ وأثبتنَاهُ فی صَدرِکَ فَاعمل به، و قد خُصَّ بالکِتَبِ المُنَزَّلِ علی محمدٍ صلی الله علیه وسلم، فصارَ لَهُ کالعَلَمِ کما أنَّالتَّوراةَ لِما أُنزِلَ علی موسی، والانجیلَ علی عیسی صلی الله علیهماوسلم۔ قال بعض العلماءِ : (تسمِیَةُ هذا الکتابِ قُرآناً مِن بَینِ کُتُبِ اللهِ لِکَونِهِ جَامِعاً لِثَمَرَةِ کُتُبِهِ) بَل لجَمعِهِ ثَمَرَةَجمیع العُلومِ "[43]۔

قرآن دراصل ایک مصدر ہے، جیسے کفران اور رجحان۔ حضرت ابن عباسؓ نے اس آیت ﴿ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ۔فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ﴾ کے معانی اس طرح بیان فرمائے کہ جب ہم اسے جمع کر دیں اور تمہارے سینے میں ثبت (محفوظ) کر دیں، تو اس پر عمل کرو۔ یہ لفظ (قرآن) خصوصاً اُس کتاب کے لیے مخصوص کر دیا گیا ہے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی، چنانچہ یہ نام (قرآن) اُس کے لیے علم (ذاتی نام) بن گیا، جیسا کہ تورات حضرت موسیٰؑ پر نازل شدہ کتاب کے لیے اور انجیل حضرت عیسیٰؑ پر نازل شدہ کتاب کے لیے علم بن چکے ہیں۔ بعض علماء نے کہا ہے: اللہ کی تمام کتابوں میں سے اس کتاب کو قرآن کہنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ نہ صرف تمام کتب سماویہ کے ثمرہ کو جامع ہے بلکہ تمام علوم کے ثمرہ کو بھی اس میں جمع کیا گیا ہے۔

ابنِ اثیر (م ۶۰۶ھ) کہتے ہیں:

" و قد تَکَرَّرَ فِي الْحَدِيثِ ذِکْرُ (القِراءَة والاقْتراءِ والقارِئِ والقرآن)، والأصل في هذه اللفظة الجمع. وکل شيء جمعته فقد قرأته. و سمی القرآن قرأناً لأنه جُمع القصص، والأمر، والنهي، والوعد، والوعيد، والآيات، والسور. بعضها إلى بعض، فهو مصدر کالغفران والکفران "[44]۔

حدیث میں قراءت، اقترا، قاری، اور قرآن کا تکرار ہے۔ ان سب کا اصل مفہوم جمع کرنا ہے۔ اصل میں قرآن سے مراد "جمع کرنا" ہے۔ ہر وہ چیز جسے تم جمع کرتے ہو، اسے "قرأته" کہا جاتا ہے۔ قرآن کو یہ نام اس لیئے دیا گیا کیونکہ اس میں قصص، امر و نہی، وعد و وعید اور سورتوں اور آیتوں کو جمع کیا گیا ہے۔ بعض کو بعض کے ساتھ ملا دیا گیا ہے، اور یہ غفران اور کفران کی طرح مصدر ہے۔

خلاصہ بحث

لفظِ "قرآن" کے مشتق یا غیر مشتق ہونے کے ضمن میں دو نمایاں آراء سامنے آتی ہیں: ایک گروہ اس لفظ کو غیر مشتق اور غیر مہموز تسلیم کرتا ہے ان کے نزدیک یہ اسم علم ہے جو کلام اللہ کے لیئے خاص ہے اس موقف کے حاملین میں امام شافعی، ابن کثیر، زمخشری، امام سیوطی، اور دیگر جلیل القدر علماء شامل ہیں، جو اس لفظ کو اسمٌ لِہذا

الکتاب خاصة قرار دیتے ہیں اور اسے کسی مادہ سے مشتق نہیں مانتے۔ جبکہ ایک بڑا گروہ اس بات کا معترف ہے کہ لفظِ "قرآن" مشتق ہے، تاہم اس کے اشتقاق کے مختلف معانی بیان کیے گئے ہیں۔ جس کی بنا پر اس گروہ کے مزید دو نمایاں گروہ ہیں۔

ان میں سے ایک گروہ کے نزدیک اس کا مادہ " ق رن " ہے۔ قرآن بلا ہمزہ ہے اور اس میں نون اصلی ہے نہ کہ زائد۔ گروہِ اول کے علماء اسے "قرنتُ الشیءَ بالشیءِ" یعنی چیزوں کو آپس میں جوڑنے کے معنی سے "قَرَنَ" کے مادہ سے ماخوذ قرار دیتے ہیں، جس کی روشنی میں قرآن کو مختلف سورتوں، آیات اور مضامین کے باہم ربط و تسلسل پر مبنی کتاب تسلیم کیا جاتا ہے۔ اسی گروہ کے دیگر بعض علماء کے نزدیک قرآن کا مادہ تو یہی ہے مگر یہ "قرنت الشیء بالشیء" سے نہیں بلکہ " قرائن " سے مشتق ہے۔

لفظِ قرآن کے مادہ اشتقاق کے قائلین کے گروہ کے نزدیک قرآن مہموز ہے اور یہ " قرأ " سے مشتق ہے۔ اس گروہ میں اس کے مادہ اشتقاق کے معنی میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ اس گروہ کے بعض علماء کے مطابق لفظِ قرآن " قرأ " سے بمعنی تلا (پڑھنا) مصدر ہے۔ بعض اوقات مصدر مفعول کے معنی دیتا ہے تو اس طرح قرآن کا مفہوم ہو گا " پڑھی جانے والی شے "، " پڑھی گئی شے "، کثرت سے پڑھا جانے والا کلام یا جس کی تلاوت کی جائے۔ اس موقف کی تائید لغویین، مفسرین اور اصولیین کی ایک بڑی تعداد کرتی ہے، جن میں حضرت عبد اللہ بن عباسؓ، للحیانی (م ۲۲۰ھ)، امام ابن جریر طبری (۳۱۰ھ)، علامہ ابنِ عطیہ اندلسی (م ۵۸۱ھ)، ابنِ منظور (م ۷۱۱ھ)، امام زرقانی (م ۱۳۶۷ھ)، علامہ مناع بن خلیل القطان (م ۱۴۲۰ھ / ۱۹۹۹م) جیسے جلیل القدر علماء شامل ہیں۔ ان کے دلائل میں سب سے نمایاں دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید میں تلاوت، قرأت اور اقرأ جیسے الفاظ بارہا آئے ہیں، جبکہ وحی کے آغاز کا پہلا کلمہ بھی اقرأ ہے، جو اس بات کی تائید کرتا ہے کہ قرآن تلاوت سے متعلق ہے۔

لفظِ قرآن کے مہموز و مشتق ہونے کے قائلین میں سے بعض علماء کے نزدیک اس کے معنی جمع کرنا کے ہیں۔ اسے 'قرآن' اس لیے کہا جاتا ہے کیونکہ یہ سورتوں کو جمع کرتا اور انہیں ایک جگہ مرتب کرتا ہے۔ لہذا اس طرح لفظِ قرآن کے مادہ اشتقاق کے قائلین کے گروہ کی آراء کو ہم چار بنیادی آراء میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

راجح رائے

راجح رائے للحیانی اور زجاج کی ہے کہ فی الحقیقت قرآن مشتق ہے اور مہموز ہے۔ اس میں ہمزہ اصلی ہے اور قرآن وصف ہے یا مصدر ہے۔ لفظِ قرآن لغت میں مصدر ہے۔ یہ قراءت (پڑھنا) کے مترادف ہے۔ جیسے قول باری تعالیٰ ﴿اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ۔فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ﴾[45]۔ پھر لفظِ "قرآن" کو اس مصدری معنی سے منتقل کر کے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہونے والے معجزاتی کلام کا نام بنا دیا گیا۔ اور یہ اس قاعدے کے تحت ہے کہ مصدر کو مفعول کے معنی میں استعمال کیا جاتا ہے۔ یہی وہ رائے ہے جسے ہم زبان کے اصول و قواعد اور

اشتقاق کے ضوابط کی روشنی میں اختیار کرتے ہیں۔ جہاں تک اس کے غیر مہموز ہونے کا تعلق ہے تو اس بارے میں زجاج کا قول ہے کہ بعض قراءات میں ہمزہ تخفیف کے لیئے ترک کیا گیا ہے اور اس کی حرکت ماقبل کے ساکن حرف کو دے دی گئی ہے[46]۔ پھر اسے مصدر یت یا وصفیت سے نکال کر علم بنا دیا گیا۔ مساعد بن سلیمان نے اس کے غیر مہموز ہونے کے حوالے سے کہا کہ جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ قرآن میں ہمزہ نہیں ہے اور قراءت میں ہے تو یہ شبہ اس لیئے پیدا ہوا کیونکہ اہل مکہ قرآن میں ہمزہ نہیں بولتے تو یہ لغتِ عرب میں تسہیل کی وجہ سے ہے۔ مکہ کے لوگوں کا ہمزہ نہ بولنا اس بات کی دلیل نہیں کہ یہ قراءت سے مشتق نہیں۔ اہل مکہ تو کئی الفاظ میں یہ تصرف کرتے ہیں مثلاً امن میں ہمزہ بولتے ہیں مگر یومنون میں نہیں بولتے[47]۔ رہا یہ قول کہ: یہ "القرء" (جَمع) سے مشتق صفت ہے، یا یہ "قرائن" سے مشتق ہے، یا "قرنت الشیء بالشیء" (میں نے ایک چیز کو دوسری سے ملایا) سے نکلا ہے، یا یہ ابتدا ہی سے معجز کلامِ الٰہی کے لیے وضع شدہ اسم ہے۔ جو نہ مہموز ہے اور نہ ہی " ال" سے خالی ہے، تو ان سب اقوال میں کوئی بھی قوی و واضح بنیاد نہیں رکھتا۔ ان میں سے بعض اقوال تو تکلف سے خالی نہیں، اور بعض اقوال کا رجحان قواعدِ اشتقاق اور لغت کے اصولوں سے دور ہے۔ راجح قول کے مطابق لفظِ قرآن مہموز (یعنی ہمزہ والا) ہے، اور اگر اس کا ہمزہ حذف کر دیا جائے تو وہ صرف تخفیف (تلفظ میں آسانی) کے لیے ہوتا ہے۔ اور جب اس پر "ال" داخل ہو جائے تو وہ تعریف کے لیے نہیں بلکہ اس کے اصلی معنی کی طرف اشارہ کرنے کے لیے ہوتا ہے۔[48] اس طرح قرآن کا مفہوم ہو گا" پڑھی جانے والی شے"، " پڑھی گئی شے"، کثرت سے پڑھا جانے والا کلام یا جس کی تلاوت کی جائے۔ اس مؤقف کو لغویین، مفسرین اور اصولیین کی ایک بڑی تعداد کی تائید حاصل ہے، جن میں ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباسؓ، مشہور نحوی اور لغوی عالم علی بن المبارک اللحیانی (م۲۲۰ھ)، اُمّ التفاسیر "جامع البیان عن تاویل آی القرآن" کے مؤلف امام ابن جریر طبری (م۳۱۰ھ)، علامہ ابنِ عطیہ اندلسی (م۵۸۱ھ)، امامِ لغت ابنِ منظور (م۷۱۱ھ)، امام زرقانی (م۱۳۶۷ھ)، علامہ مناع بن خلیل القطان (م۱۴۲۰ھ / ۱۹۹۹م) جیسے جلیل القدر علماء شامل ہیں۔ قرآن نہ صرف معنوی لحاظ سے پڑھا جانے والا کلام ہے، بلکہ اس کی ترتیب، اسلوب اور ساخت بھی ایسی ہے جو کثرتِ قراءت اور معنوی جمع کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ اس نظریے کو کثرتِ استعمال،

لغوی ہم آہنگی اور قرآن کی داخلی شہادتوں کی بنیاد پر علمی و اصولی اعتبار سے مضبوط قرار دیا جا سکتا ہے۔

حوالہ جات

1 آپ قراء سبعہ میں شامل ہیں اور اعلیٰ پایے کے ماہر عربیت، عالم لغت اور مشہور نحوی تھے۔

2 اَبی الفضل جمال الدین محمد بن مکرم، ابنِ منظور، *لسان العرب*، (بیروت: دارِ صادر، س۔ن.)، جلد ۱۱، ص ۱۲۹۔

3 اَبی بکر اَحمد بن علی الخطیب البغدادی (۴۶۳ھ)، *تاریخِ بغداد*، تحقیق: مصطفٰے عبد القادر عطا، (بیروت: دار الکتب العلمیۃ، الطبعۃ الثانیہ، ۲۰۰۴م-۱۴۲۵ھ)، جلد ۲، ص ۶۰۔

4 ابنِ منظور، *لسان العرب*، ۱۱:۱۲۹۔

5 جلال الدین السیوطی (م ۹۱۱ھ)، *الاتقان فی علوم القرآن*، تحقیق: شیخ شعیب الأرنؤوط (بیروت: مؤسسۃ الرسالۃ ناشرون، ۱۴۲۹ھ-۲۰۰۸م)، ص ۱۱۶۔

6 السیوطی، *الاتقان*، ۱۱۶۔

7 ابو الحسن اشعری عباسی دور کے مشہور مسلمان عالم دین اور چوتھی صدی ہجری کی جلیل القدر شخصیت ہیں۔ اسلامی عقائد کے مشہور امام اور اہل السنۃ والجماعۃ کے تین بڑے مکاتبِ فکر میں سے ایک یعنی اشاعرہ اور علم کلام کے بانی ہیں۔

8 السیوطی، الاتقان، ۱۱۶۔

9 بدر الدین محمد بن عبد اللہ الزرکشی، *البرہان فی علوم القرآن*، تحقیق: محمد اَبو الفضل ابراھیم (القاھرۃ: مکتبۃ دار التُّراث، س۔ن)، جلد ۱، ص ۲۷۸۔

10 الفرّاء کو کوفہ کے بڑے نحویوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ انہوں نے عربی زبان، خاص طور پر کوفی طرزِ نحو میں گہری مہارت حاصل کی اور "الکسائی" کے شاگرد تھے۔

11 السیوطی، *الاتقان*، ۱۱۶۔

12 الزرکشی، *البرہان*، ۱:۲۷۸۔

13 علی بن المبارک اللحیانی ایک مشہور نحوی اور لغوی عالم تھے، جن کا تعلق تیسری صدی ہجری سے ہے۔ بصرہ کے اہلِ علم میں شمار ہوتے تھے اور زبان، لغت، صرف و نحو کے علوم میں ماہر مانے جاتے تھے۔

14 محسن بن حامد المطیری، *تفسیر القرآن بالقرآن: تأصیل و تقویم* (الریاض: دار التدمریۃ، الطبعۃ الأولی، ۱۴۳۲ھ / ۲۰۱۱ء)، ص ۳۰۔

15 السیوطی، *الاتقان*، ۱۱۶۔

16 ابنِ منظور، *لسان العرب*، ۱:۱۲۸۔

17 اَبی جعفر محمد بن جریر الطبری (م ۳۱۰ھ)، *جامع البیان عن تأویل آی القرآن*، تحقیق: الدکتور عبد اللہ بن عبد المحسن الترکی (القاھرۃ: بدار ھجر، ۱۴۲۲ھ / ۲۰۰۱م)، جلد ۱، ص ۹۰۔

18 الطبری، *تفسیر الطبری*، ۱:۹۰۔

19 القیامۃ،۷۵: ۱۸۔

20 ایضاً

21 ابن عطیۃ، أبو محمد عبد الحق بن غالب، *المحرر الوجیز في تفسیر الکتاب العزیز*، تحقیق: عبد السّلام عبد الشّافی محمد، (بیروت: دار الکتب العلمیۃ، ۱۴۲۲ھ-۲۰۰۱م)، جلد ۱، ص ۵۶۔

22 الزرقانی، محمد عبد العظیم (م ۱۳۶۷ھ)، *مناهل العرفان في علوم القرآن*، تحقیق: فوّاز أحمد زمرلی، (بیروت: دار الکتاب العربی، الطبعۃ الاولی، ۱۴۱۵ھ-۱۹۹۵م)، جلد ۱، ص ۱۵-۱۷۔

23 القیامۃ،۷۵:۱۷،۱۸۔

24 ایضاً

25 الاعراف،۷:۲۰۴۔

26 منّاع بن خلیل القطان (م ۱۴۲۰ھ / ۱۹۹۹م)، *مباحث في علوم القرآن*، (القاہرۃ: مکتبہ وھبۃ، س۔ن)، ص ۱۴، ۱۵۔

27 القیامۃ،۷۵:۱۷،۱۸۔

28 الاعراف،۷:۲۰۴۔

29 الطبری، *تفسیر الطبری*، ۱:۹۰،۹۱۔

30 أبو الحسن علي بن محمد بن محمد بن حبیب الماوردي (م ۴۵۰ھ)، النکت والعیون، المحقق: السید ابن عبد المقصود بن عبد الرحیم، (بیروت / لبنان: دار الکتب العلمیۃ، س۔ن)، جلد ۱، صفحہ ۲۴۔

31 أبی عبیدۃ معمر بن المثنی (م ۲۱۰ھ)، *مجاز القرآن*، تحقیق: محمد فواد سیزگین (قاہرہ: مکتبۃ محمد الخانجی، الطبعۃ الاولی، ۱۳۸۱ھ)، جلد ۱، صفحہ ۱۔

32 ایک مشہور نحوی، مفسر، لغوی اور ادیب تھے۔ وہ عباسی دور کے مشہور علماء میں شمار ہوتے ہیں اور خاص طور پر نحو (عربی گرامر) اور تفسیر قرآن میں ان کی خدمات معروف ہیں۔ ان کی کتاب "معاني القرآن" آج بھی قرآن کے لغوی و نحوی پہلو کو سمجھنے کے لیے ایک قابلِ قدر ماخذ سمجھی جاتی ہے۔

33 السیوطی، الاتقان، ۱۱۶۔

34 ابنِ منظور، *لسان العرب*، ۱:۱۲۸۔

35 ایضاً۔

36 السیوطی، *الاتقان*، ۱۱۶۔

37 اسماعیل بن حماد الجوھری، *الصحاح: تاج اللغۃ وصحاح العربیۃ*، تحقیق: احمد عبد الغفور عطّار (بیروت: دار العلم للملایین، الطبعۃ الرابعۃ، ۱۹۹۰م)، جلد ۱، ص ۶۵۔

38 الجوہری، *الصحاح*، ۱/ ۶۵۔

39 القیامۃ، ۷۵: ۱۷، ۱۸۔

40 ایضاً

41 الجوہری، اسماعیل بن حماد، *الصحاح*، ۱: ۶۵۔

42 العلامۃ الرّاغب الأصفہانی (م ۴۲۵ھ)، *مفردات ألفاظ القرآن*، تحقیق: صفوان عندان داوودی (دمشق: دار القلم، الطبعۃ الرابعۃ، ۱۴۳۰ھ-۲۰۰۹م)، ص ۶۶۹، ۶۷۰۔

43 ایضاً

44 امام مجد الدین أبی السعادات المبارک محمد الجزری ابنِ اثیر (م ۶۰۶ھ)، *النہایہ فی غریب الحدیث والاثر*، تحقیق: محمود محمد الطناحی (بیروت: دار احیاء التراث العربی، س۔ن)، جلد ۴، ص ۳۰۔

45 القیامۃ، ۷۵: ۱۷، ۱۸۔

46 السیوطی، *الاتقان*، ۱۱۶۔

47 مساعد بن سلیمان الطیار، *مقالات في علوم القرآن* (الریاض: دار المحدث، الطبعۃ الأولی، ۱۴۲۵ھ)، ص ۱۷۔

48 الزرقانی، (م ۱۳۶۷ھ)، *مناہل العرفان*، جلد ۱، ص ۱۷۔